تفسیرِ قرآن اور اسرائیلیات°

(سلف صالحین کا طرزِ عمل)

غزل کاشمیری۔ استاذ شعبۂ علوم اسلامیہ۔ اسلامیہ یونیورسٹی۔ بہاولپور

سلف صالحین کا عمل اگر ہم تفاسیر کا بغور مطالعہ کریں تو وہ تفاسیر جو تفاسیر بالروایۃ یا تفاسیر بالماثور کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں اگرچہ ان اسرائیلیات کا پتہ چلتا ہے لیکن ان حضرات نے حتی الوسع ان سے پرہیز کیا ہے اور اگر وہ ان اسرائیلیات کو بیان بھی کرتے ہیں تو آخر میں جرح و تعدیل سے بھی کام لیتے ہیں۔ روایت کی ثقاہت اور سقم دونوں کو بیان کرتے ہیں۔ امام محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) جنہیں امام التفسیر والتاریخ کہا گیا ہے، نے اپنی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن" میں اسرائیلیات کو بیان کیا ہے، لیکن ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ان روایات کی سند بیان کر دیتے ہیں اور کہیں کہیں وہ ان پر تنقید بھی کرتے ہیں مثلاً سورہ المائدہ کی آیات ۱۲، ۱۳، ۱۴-

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ
أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ......

کی تفسیر میں ان تمام روایات کو بیان کرتے ہیں جو اس دسترخوان کے کھانوں کی اقسام کے بارے میں آئی ہیں اس کے بعد تنقید کر کے کہتے ہیں:

"دسترخوان پر کون کون سے کھانے تھے، اس بارے میں صحیح قول یہ کہنا چاہیے کہ

° مضمون کے تمام حوالہ جات آخر میں دیئے گئے ہیں۔ (ادارہ)

اس پر تاکہ دلالت تھیں۔ وہ مچھلی اور روٹی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ جنت کے پھل بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کے جاننے سے نہ علم میں اضافہ ہوتا ہے اور اُن کے نہ جاننے سے کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ اگلی آیت قرآن کے ظاہری معنی میں ہر بات کا احتمال رکھتی ہے؏ "

اسی طرح سورۃ یوسفؑ کی آیت نمبر ۲۰۔

" وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ...... کی تفسیر میں قدما کے اقوال پیش کرتے ہیں کہ وہ ۲۰ درہم تھے یا ۲۲ تھے یا ۴۰ تھے۔ آخر میں تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں "اس بارے میں صحیح بات یہ کہی جائے گی کہ یوسف کے بھائیوں نے اسے چند دراہم کے بدلے فروخت کر ڈالا جو غیر موزوں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا مبلغ نہ تعداد میں بیان کیا ہے اور نہ وزن میں بیان کیا ہے۔ اس بارے میں قرآن اور خبر رسول میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ۲۲ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ۴۰ ہوں۔ ان سے کم بھی ہو سکتے ہیں اور زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ جتنے بھی ہوں، تھے غیر موزوں۔ ان کے وزن کا مبلغ معلوم کرنے سے دین کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور ان کا مبلغ معلوم نہ ہونے سے کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا۔ قرآن کے ظاہری الفاظ پر ایمان فرض ہے۔ اس کے علاوہ جو اقوال ہیں اُن کا جاننا ہمارے لیے ضروری نہیں ہے"۔ ؏

اسی طرح سلفِ صالحین میں عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر (م ۷۷۴ ھ) کی تفسیر کو ایک اہم درجہ حاصل ہے۔ آپ بھی کثرت سے اسرائیلیات کو روایت کرتے ہیں لیکن طبری کی طرح سند کے ساتھ اور پھر اُن پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ بقرہ آیت ۶۷۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً .... کی تفسیر میں ایک عجیب و غریب قصہ بیان کرتے ہیں جس میں بنی اسرائیل اُس گائے کو تلاش کرتے ہیں اور پھر جو کچھ قدماء سے مروی تھا اُسے بیان کر کے کہتے ہیں:

" یہ تمام سیاق عبیدہ اور ابوالعالیہ اور سُدّی وغیرہم سے مروی ہیں۔ اس میں بہت سا اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام بنی اسرائیل کی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جن کا نقل کرنا تو جائز ہے لیکن اُن کی تصدیق کی جائے گی اور نہ ہی تکذیب کی جائے گی۔ لہٰذا ہمارے نزدیک

جو حق کے موافق ہوگا اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔"[۳]

لیکن کچھ واقعات کی تنقیح ضروری ہے جن کو مخالفینِ اسلام پیش کر کے قرآن کو داغدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام اہل کتاب پر ہی تکیہ کرتے تھے مثلاً :۔

۱۔ حضرت عمرؓ کا واقعہ

مسند احمد میں ایک روایت ملتی ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے :۔

اَنَّ عُمَرَ بن الخطاب اتی النبی صلّی اللہ علیہ وسلم بکتاب اَصَابَہٗ مِنْ بعض اھل الکتاب فقراٗہٗ علیہ۔ فَغَضِبَ فقال امتھوّکون فیھا یا ابنَ الخطاب۔ والذی نفسی بیدہ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃً لاتسألوھُمْ عن شیءٍ فیخبروکم بحقٍ فتکذبوا بہ او بباطل فتصدقوا بہ والذی نفسی بیدہ۔ لو ان موسیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کان حیًّا ما وسعہ اِلَّا اَنْ یَتّبِعَنِی[۴]

ایک بار عمرؓ نبی پاک کے پاس ایک کتاب لاکر پڑھنے لگے جو انہیں کسی اہل کتاب سے ملی تھی۔ نبی پاکؐ غصہ میں آگئے اور کہا اے خطاب کے بیٹے! تم ان میں حیران و پریشان پھر رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے پاس ایک روشن اور پاک شریعت لایا ہوں۔ تم اہل کتاب سے کوئی چیز پوچھو گے اور وہ تم کو سچی بات بتائیں اور تم اسے جھٹلا دو اور اگر وہ غلط جواب دیں اور تم اسے سچ جان لو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے بغیر اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔

مندرجہ بالا حدیث میں جو نہی واقع ہوئی ہے وہ ابتدائے اسلام میں تھی۔ یہ احکام شرعیہ کے ٹھوس شکل اختیار کرنے سے قبل کی بات ہے۔ ابتدائے اسلام میں تو نبی پاک کی احادیث لکھنے تک کی ممانعت تھی کہ کہیں یہ قرآن کے ساتھ مختلط نہ ہو جائیں۔ لیکن جب اسلامی احکام مسلمانوں پر معروف ہو گئے اور انہوں نے پختہ بنیادیں اختیار کر لیں تو اہل کتاب سے روایت

کی اجازت مل گئی تھی اور احادیث قلمبند کرنے کی بھی اجازت مل گئی تھی۔ مکمل جواب ہم فتح الباری جلد ۶ اور جلد ۱۳ سے اوپر دے آئے ہیں اور ابن بطال کی زبانی مہلب کا قول پیش کر آئے ہیں۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ

مشہور معتزلی بشر مرلسی نے دعوٰی کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو جنگ یرموک میں اہل کتاب کی دو اونٹوں کے بوجھ کے برابر کتابیں ملی تھیں۔ وہ انہیں نبی پاکؐ کی طرف سے لوگوں کو بیان کیا کرتے تھے۔ لوگ انہیں کہا کرتے تھے کہ ہمیں ان دو بوریوں میں سے مت بیان کرو"۔ [۵]

اسی طرح مشہور منکر حدیث محمود ابوریہ نے بھی یہ اعتراض کیا ہے۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں:

أنّ عبد الله بن عمرو كانَ قدْ اصاب زاملتيْنِ مِنْ كتب اهل الكتاب وكان يَرْوِيهَا للناس عن النبي فتجنب الاخذ عنه كثيرٌ مِنْ ائمة التابعين وكان يُقال له لا تُحدِّثنا عن الزّاملتين [۱]

عبداللہ بن عمرو کو اہل کتاب کی کتابوں میں سے دو بوریوں کے برابر کتابیں ملی تھیں وہ لوگوں کو انہیں نبی پاکؐ سے روایت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ائمہ تابعین میں سے بہت سے حضرات نے ان کی حدیث قبول کرنے سے پرہیز کیا تھا۔ ان کو کہا جاتا تھا کہ ہم کو ان دو بوریوں میں سے مت بیان کرو۔

محمود ابوریہ نے اس کا حوالہ فتح الباری سے دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ فتح الباری میں اس طرح نہیں لکھا جس طرح محمود ابوریہ نے لکھا ہے۔ فتح الباری میں ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابوں کا ذکر ہے اور محمود ابوریہ اسے دو اونٹ کے بوجھ کے برابر (زاملتین) لکھ رہے ہیں۔ فتح الباری میں اتنا ضرور درج ہے کہ وہ اہل کتاب کی یہ باتیں لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے لیکن یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ وہ اسے نبی پاکؐ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ "عن النبی" کا اضافہ خود ابوریہ نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ فتح الباری کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

أنّ عَبْدَ اللهِ كانَ قَدْ ظَفِرَ فی الشام بحملِ جملٍ من كُتُبِ

اهل الكتاب فكان ينظر فيها و يحدث منها فتجنب الاخذ عنه لذلك كثير من ائمة التابعين والله اعلم۲۹

عبداللہ بن عمرو کو شام میں اہل کتاب کی ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابیں ملی تھیں۔ آپ انہیں پڑھا کرتے تھے اور لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ائمہ التابعین میں سے اکثر حضرات نے ان سے حدیث اخذ کرنے سے اجتناب کیا ہے واللہ اعلم۔

قارئین ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ بشر مریسی اور ابوریہ دونوں نے کس طرح علمی خیانت کا ثبوت دیا ہے اور کس طرح انہوں نے اس جلیل القدر صحابی کے بارے میں سوء ظن کا مظاہرہ کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اہل کتاب کی روایات ضرور بیان کیا کرتے تھے لیکن ایک تو وہ انہیں نبی پاکؐ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔ دوسرے یہ روایات اسلام کے کسی بنیادی عقیدہ یا احکام کے بارے میں نہیں ہوتی تھیں۔ یہ وہی روایات تھیں جو باعث عبرت و موعظت تھیں اور پھر عبداللہ بن عمرو جواز کے اس دائرے سے کبھی باہر نہیں گئے جو نبی پاکؐ نے مقرر فرمایا تھا۔ امام ابن تیمیہ نے اس کی یہی توجیہہ بیان کی ہے۳۰

۳- حضرت عبداللہ بن عباس کا واقعہ استاد احمد امین مصری نے اسرائیلیات کے بارے میں صحابہ کرام خاص کر حضرت عبداللہ بن عباس پر تلخ تنقید کی ہے کہ وہ اہل کتاب سے روایات بیان کرنے میں بہت مشہور تھے۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

"ان یہودیوں میں سے بعض لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور ان کے ذریعے ان اسرائیلیات میں سے بہت سارا ذخیرہ مسلمانوں میں سرایت کر گیا۔ اور یہی اسرائیلیات تفسیر قرآن میں داخل ہو گئیں جن سے صحابہ قرآن کی شرح مکمل کرتے تھے۔ حتیٰ کہ کبار صحابہ بھی مثل ابن عباس کے ان کے اقوال کو حاصل کرنے میں مطلق حرج نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا جاتا ہے کہ جب اہل کتاب تم سے کوئی روایت بیان کریں تو نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔ لیکن عمل اس حدیث

کے برخلاف ہوتا رہا۔ صحابہ ان کی روایات کی تصدیق کرتے رہے اور ان سے نقل کرتے رہے۔"[۹]

ہمارے نزدیک احمد امین نے سخت تحکم سے کام لیا ہے۔ صحابہ کرام بلا سوچے سمجھے کب ان سے روایات بیان کرتے تھے۔ ابوہریرہؓ کی مثال ہم اوپر پیش کر آئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا بھی یہی حال تھا۔ بلکہ آپ تو اہل کتاب سے روایات بیان کرنے میں سب سے زیادہ محتاط تھے۔ احمد امین نے اپنی جلالت علمی کے باوجود مشہور مستشرق گولڈ زیہر کے اعتراض کو ہی دوہرا دیا ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ گولڈ زیہر کا اعتراض نقل کرکے قارئین کو بتا دیں کہ دونوں سکالروں کے بیان میں کس قدر مشابہت ہے اور پھر حضرت عبداللہ بن عباس پر اٹھائے گئے اعتراض کا جواب دیں گے۔ گولڈ زیہر کہتا ہے:

"ان تمام روایات میں (جن میں صحابہ کا اہل کتاب سے اخذ کرنا بیان کیا گیا ہے) سب سے زیادہ قابل ذکر وہ روایت ہے کہ ابن عباس کو جب کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی شک پیدا ہوتا تھا تو اسے دور کرنے کے لیے ان اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے جن کے پاس اس بارے میں معلومات ہوتی تھیں۔ اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ ابن عباسؓ معانی و الفاظ کی تفسیر کے لیے ابوالجلدؔ نامی ایک شخص سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص غیلان بن فروہ الازدی تھا جس کی یہ کہہ کر تعریف کی جاتی تھی کہ وہ قدیم کتابیں پڑھا ہوا ہے۔ عبداللہ بن عباس کی بیٹی یہ بات خصوصیت کے ساتھ بیان کیا کرتی تھی کہ ان کے والد قرآن کو ہر سات دن کے بعد ختم کیا کرتے تھے اور تورات کو دیکھ کر پڑھنے کے بعد آٹھ دن میں ختم کیا کرتے تھے۔ سات سے آٹھ دن کے اندر قرآن ختم کرنے کی ایک معتدل اور درمیانی مدت تصور کی جاتی تھی۔ عبداللہ بن عباس جب بھی تورات ختم کرتے تو لوگوں کا ایک بڑا جلسہ عام منعقد کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایسا کرنا عمل صالح ہے۔ اس سے خدا کی رضامندی اور رحمت واجب ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس گنجلک اور پُرپیچ روایت سے ——— جیسے ان کی بیٹی نے مزید الجھا دیا ہے ——— یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ پڑھنے کے دوران تورات کا کونسا نسخہ پیش نظر رکھتے تھے۔ اس پر فضیلت علم کے سرچشموں میں عبداللہ بن عباس کے

نزدیک دو اور انسان بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ تھے کعب الاحبار اور عبداللہ بن سلام۔ اسی طرح ہم عموماً اُن اہل کتاب کے گروہوں سے روایات بیان کرنے کی عبداللہ بن عباس سے ممانعت بھی پاتے ہیں۔ یہ اقوال بھی خود ابن عباس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں"۔[۱۰]

کاش ابن عباسؓ کی بیٹی سیدھی سادی عورت ہونے کی بجائے گولڈ زیہیقر کی طرح محقق ہوتی تو وہ اس روایت کو نہ اُلجھاتی بلکہ تورات کا سن طباعت اور مصنف کا نام تک راویوں کو بتاتی۔ اس طرح یہ روایت غامض ہونے کے بجائے صاف نکھر کر سامنے آجاتی۔ سیجی بات یہ ہے کہ گولڈ زیہیقر نے خود ہی اس روایت کو پردۂ غموض میں رکھا ہے۔ ایک طرف تو وہ اتنی تحقیق کرتے ہیں کہ ابو الجلد کا نام تک تلاش کر کے سامنے لے آتے ہیں اور دوسری طرف محض اتنا ہی اشارہ کر دیتے ہیں کہ کچھ اقوال ابن عباس سے ایسے بھی منقول ہیں جن میں وہ اہل کتاب سے روایات بیان کرنے کی ممانعت فرماتے ہیں۔ کیا یہ مناسب نہیں تھا کہ ان اقوال میں سے چند ایک کو تحقیق کر کے پیش کر دیا جاتا؟

عبداللہ بن عباس کا پوچھنا نہ تو کسی عقیدے سے متعلق ہوتا تھا اور نہ ہی ایسی باتوں کے بارے میں ہوتا تھا۔ جو اصول دین سے متعلق ہوتی تھیں۔ وہ اہل کتاب سے ازمنۂ سابقہ اور امم سابقہ کے بارے میں کسی قصّہ کی وضاحت پوچھ لیا کرتے تھے جو چیز عقل و دین کے موافق ہوتی تھی اور جس سے عبرت و موعظت حاصل ہوتی تھی اس کی تصدیق کرتے تھے اور جو اس کے خلاف ہوتی تھی اسے ردّ کر دیتے تھے۔ اسی مقصد کی خاطر وہ تورات کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عظیم صحابی جسے ترجمان القرآن بھی کہا گیا ہے۔ دراصل قرآن و تورات کا تقابلی مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اور اُن اشیا کی تلاش میں رہتا تھا جو قرآنی عقائد و اعمال کی تصدیق کرتی تھیں۔ جو چیز قرآن یا شریعت اسلام کے خلاف ہوتی تھی اُسے ابن عباس جیسا انسان کیسے روایت کر سکتا تھا؟ ایسی چیزیں اہل کتاب سے روایت کرنے کے وہ خود سخت ترین مخالف تھے۔ مثلاً بخاری میں روایت ہے:

اَنَّ ابْنَ عَبَّاس قال کیف تسألُونَ اهل الکتاب عن شیٍٔ وکتابکم الذی انزل اللّٰہ علیٰ رسولہٖ احدث تقرؤنہ محضاً لَمْ یُشَب

وقد حدثکم ان اهل الکتاب بدلوا کتاب الله وغیروه وکتبوا بایدیهم الکتاب وقالوا هو من عند الله لیشتروا به ثمنا قلیلا الا ینهاکم ما جاءکم من العلم عن مسألتهم لا والله ما رأینا منهم رجلا یسألکم عن الذی انزل علیکم [۱]

" ابن عباسؓ نے کہا تم کسی چیز کے بارے میں اہل کتاب سے کیسے پوچھتے ہو جب کہ وہ کتاب جو اللہ نے اپنے رسولؐ پر اتاری ہے بالکل نئی ہے اور جسے تم ایک خالص اور پاک شکل میں پڑھتے ہو۔ اسی کتاب نے تمہیں بتایا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا ہے اس میں تغیر کر دیا ہے اور اُسے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس طرح وہ اس کے بدلے معمولی سی قیمت وصول کر سکیں کیا تمہارے پاس جو علم آیا ہے اس نے تم کو اہل کتاب سے پوچھنے سے منع نہیں کیا؟ نہیں خدا کی قسم ہم ان اہل کتاب میں سے ایک آدمی بھی نہیں دیکھتے جو اس چیز کے بارے میں تم سے پوچھے جو اللہ نے تم پر نازل کی ہے"۔

اس روایت کو سامنے رکھ کر کیا احمد ابن اور گولڈ زیہر کے دعادی کو قبول کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام خاص کر ابن عباسؓ اہل کتاب سے ہر چیز پوچھا کرتے تھے اور بلا چون وچرا ہر قسم کی روایت کو قبول کر لیا کرتے تھے اس طرح وہ نبی پاکؐ کی تنبیہہ کے برعکس عمل کیا کرتے تھے؟ جہاں تک ابو الجلد والی روایت کا تعلق ہے تو اس دعوے کی بنیاد طبری کی تفسیر ہے۔ سورہ رعد کی آیت " هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا " کے تحت طبری مثنی سے روایت بیان کرتے ہیں۔

قال حدثنا حجاج قال حدثنا حماد قال اخبرنا موسی بن سالم ابو جهضم مولی ابن عباس قال کتب ابن عباس الی ابی الجلد یسأله عن البرق فقال البرق الماء۔

ابن عباس نے ابو الجلد کی طرف لکھا کہ برق کا کیا معنی ہے۔ اس نے کہا برق کا معنی پانی ہے۔

یہ سند منقطع ہے کیونکہ موسیٰ بن سالم ابوجہضم نے ابن عباس کو نہیں پایا اور نہ ہی اُن کا مولیٰ تھا ۔ ابن عباس سے مرسل بیان کرتا ہے ۔ یہ تو عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس سے روایت کرتا ہے ۔ دونوں عبادوں اور امام ابوجعفر الصادق سے روایت کرتا ہے ۔ یہ عباسیوں کا مولیٰ تھا[۱۳] ۔ طبری سے شاید سہو ہوا ہے کہ اسے ابن عباس کا مولیٰ کہہ دیا یا پھر اثنائے کتابت میں کاتب سے غلطی ہو گئی ہے ۔

مندرجہ بالا روایت سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ابن عباس نے کوئی عقیدہ یا احکام سے متعلق بات نہیں پوچھی ۔ وہ صرف مظاہر فطرت کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے ۔ پھر یہ بھی ثابت نہیں ہے کہ ابن عباس نے اس کی تصدیق کر دی تھی ۔

بہر حال یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر صحابہ کرام اہل کتاب سے معلومات حاصل کرتے تھے ۔ وہ اسی دائرہ جواز کے اندر رہ کر ہی اہل کتاب کی باتیں سنتے تھے جو نبی پاکؐ نے ان کے لیے کھینچ دیا تھا ۔ لیکن صحابہ کے بعد تابعین کے دور میں اس حدِ جواز کو پس پشت ڈال دیا گیا ۔ اس دور میں اہل کتاب سے ہر قسم کی لایعنی اور متناقض روایات اخذ کی گئیں ۔ ہماری تفاسیر میں ایسا مواد جمع ہو گیا جس سے روحِ قرآن ہی ختم ہو گئی ۔ عہد تابعین میں اسرائیلیات کے عظیم سرچشمے وہب بن منبہ (م ۱۱۰ھ) اور عبدالملک ابن عبدالعزیز ابن جریج (م ۱۵۰ھ) تھے ۔ علمائے جرح و تعدیل نے ان پر سخت تنقید کی ہے ۔ خدا کے فضل و کرم سے ہمارے ضابط و عادل علمائے کرام نے سعیٔ بلیغ سے ہر کھرا اور کھوٹا ہمارے سامنے رکھ دیا ہے ۔ مصر کے مشہور عالم دین شیخ رشید رضا نے وہب بن منبہ کو یکسر رد کیا ہے[۱۴] ۔ ابن جریج کے بارے میں احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں "جن احادیث کو ابن جریج مرسل بیان کرتے ہیں سب موضوع ہیں ۔ اُسے یہ کوئی پروا نہ ہوتی تھی کہ حدیث اس نے کہاں سے لی ہے ۔ یعنی کہتا ہے کہ مجھے فلاں کی طرف سے خبر دی گئی ہے یا حدیث بیان کی گئی ہے"[۱۵] ۔

اِسی طرح تابعین میں مقاتل بن سلیمان (م ۱۵۰ھ) گزرا ہے ۔ اس کے بارے میں ابوحاتم کہتے ہیں ۔ "اُس نے یہود و نصاریٰ سے علوم حاصل کیے اور انہیں قرآن کے موافق بنانے کی کوشش کی"[۱۶] مثلاً سورہ اسراء کی آیت ۸ ۷ وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا (اور وہ گاؤں جن کو ہم قیامت کے دن سے قبل تباہ کرنے والے ہیں یا اُن کو ایک سخت عذاب دینے والے ہیں) ۔ اس کے بارے میں مقاتل کہتا ہے "اس آیت کی تفسیر کے لیے میں نے ضحاک بن مزاحم کی کتاب دیکھی ہے کہ مکہ کو اہل حبشہ تباہ کریں گے ۔ مدینہ قحط کی وجہ سے برباد ہوگا ۔

بصرہ غرق ہو جائے گا۔ کوفہ پر ترک دھاوا بولیں گے۔ جبل کے مقام پر بجلیاں کوندیں گی اور زلزلے آئیں گے۔ خراسان پر بے شمار قسم کی ہلاکتیں اور تباہیاں نازل ہوں گی۔ اس کے آگے اس نے چین و ہند سے لے کر تمام شہروں کے نام گنوائے حتیٰ کہ قسطنطنیہ اور تدمر کے نام بتائے اور ان کی بربادیوں کے اسباب بتائے۔" ظاہر ہے یہ سب مصنوعی کہاوتوں اور اوہام و خرافات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ لیکن ہماری تفاسیر ان سے بھری پڑی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا تھا۔ "تین کتابیں ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے..... مغازی، ملاحم اور تفسیر" اسرائیلیات کی کثرت کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان سے وہ تفاسیر بھی نہ بچ سکیں جن کو تفاسیر بالرائے کہا جاتا ہے، جن میں عموماً عقل و استنباط سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ بقول ابن خلدون:-

"متقدموں نے اسرائیلیات سے اپنی تفاسیر کو بھر دیا ہے۔ ان میں ہر قسم کا رطب و یابس اور مقبول و مردود موجود ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اہل عرب نہ تو اہل کتاب تھے اور نہ ہی اہل علم قوم تھے۔ وہ بدوی زندگی کے خوگر تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ جب کبھی بشری تقاضوں کے تحت انہیں اسبابِ کائنات، ابتدائے آفرینش اور اسرارِ وجود کے بارے میں کچھ جاننے کا شوق اُٹھتا تھا تو وہ اہل کتاب سے پوچھتے تھے اور انہی سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ یہ اہل تورات یہود تھے یا نصاریٰ تھے وہ بھی یہودیوں کے دین پر ہی چلتے تھے۔ پھر اس دور کے اہل تورات عربوں ہی کی طرح بَدّو تھے۔ ان کی معلومات اتنی ہی ہوتی تھیں جو اہل تورات میں ایک عام آدمی کی ہوتی ہے۔ اہل تورات کا زیادہ حصہ حِمیر سے تعلق رکھتا تھا۔ سب سے پہلے حِمیر والوں نے ہی دینِ یہودیت اختیار کیا تھا۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو انہوں نے شرعی احکام کے ماسوا باقی تمام باتیں زمانہ قبل از اسلام ہی کی اپنائے رکھیں۔ مثلاً ابتدائے کائنات کے بارے میں معلومات، مختلف واقعات اور جنگوں کے اسباب کے بارے میں اُن کے تصورات وہی پرانے تھے۔ عرب کعب الاحبار، وہب بن منبہؒ اور عبداللہ بن سلام سے معلومات حاصل کرتے تھے۔ انہی حضرات کی منقولات سے تفاسیر کو بھر دیا گیا۔ چونکہ یہ مسائل احکام سے تعلق نہیں رکھتے تھے لہٰذا ان کے بارے

میں صحت کا زیادہ خیال نہیں رکھا گیا۔ ایسے مسائل کا حل انہی حضرات تک موقوف تھا۔ مفسروں نے نہایت تساہل سے کام لیا۔ ان کی بنیاد جیسا کہ ہم نے پہلے کہا یہی اہل کتاب تھے جو بدوی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی معلومات کی کوئی سند یا بنیاد نہیں ہوتی تھی، مگر اس کے باوجود انہی کی شہرت تھی۔ اور ان کی بہت قدر و منزلت کی جاتی تھی محض اس لیے کہ وہ دین و ملت کے مقامِ بلند پر فائز تھے۔ لہٰذا ان کی باتوں کو اس دور میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔"[19]

لہٰذا قرآن کے ہر طالب علم پر فرض ہے کہ ۱۔ وہ تفاسیر کا مطالعہ کرتے وقت نہایت بیدار مغزی اور تنقیدی روح سے کام لے تاکہ وہ اس عظیم پہاڑ کے اندر سے ہیرے جواہرات نکال سکے۔ جو چیز عقل و نقل اور روحِ اسلام کے مطابق ہو اُسے لے لے۔ ۲۔ جو چیز اسلامی شریعت کی نقیض ہو اور عقل کے خلاف ہو اُسے رد کر دے۔ ۳۔ اور اگر کوئی ایسی روایت ہے جو ہماری شریعت کے مخالف ہے اور نہ موافق اُس کے بارے میں توقف اختیار کرے۔ صدق و کذب کا حکم نہ لگائے۔ ۴۔ قرآن کا ہر طالب علم ان روایات میں سے اسی قدر اخذ کرے جو قرآنی سچائیوں کی شاہد ہو۔ ۵۔ اور آخری بات یہ ہے کہ قرآنی طالب علم کے سامنے جب ایک ہی مسئلے کے بارے میں مختلف روایات آئیں تو وہ قاری کے سامنے ان سب کو پیش کر کے ایک کو ترجیح دے۔ محض آراء کو پیش کر دینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس رائے کی نشاندہی کرنا ضروری ہے جو اقرب الی الصواب ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(حوالہ جات)

[1] جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۷، ص ۱۳۵۔ الطبعۃ الثانیہ شرکۃ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۹۵۴ء

[2] ایضاً جلد ۲ ص ۱۷۴

[3] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۱۰ طبع دار احیاء الکتب العربیۃ عیسی البابی الحلبی و شرکاءہ مصر سن ندارد۔

[4] مسند احمد جلد ۳ ص ۳۸۷ المکتب الاسلامی و دار صادر للطباعۃ والنشر الطبعۃ الاولیٰ بیروت ۱۹۶۹ء۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ اور البزاز نے بھی روایت کیا ہے فتح الباری جلد ۱۳ ص ۲۸۱

۵ رد الدارمی علی بشر ص ۳۹۶ بحوالہ السنۃ قبل التدوین ص ۳۵۱ مکتبہ وہبہ ۱۴ شارع الجمہوریہ بعابدین الطبعہ الاولیٰ ۱۹۶۳ء۔

۶ اضواء علی السنۃ المحمدیۃ ص ۱۶۲ حاشیہ نمبر ۳ طبع دار التالیف مصر ۱۹۵۸ء

۷ بخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم۔ فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۴

۸ مقدمہ فی اصول التفسیر ص ۲۶ بحوالہ التفسیر والمفسرون جلد ۱ ص ۱۷۵ محمد حسین الذہبی الطبعۃ الاولیٰ دار الکتب الحدیثیہ مصر ۱۹۶۱ء

۹ فجر الاسلام ص ۲۰۱ مکتبہ النہضۃ المصریۃ الطبعۃ السابعۃ ۱۹۵۹ء۔

۱۰ مذاہب التفسیر الاسلامی ص ۸۵-۸۶ عربی ترجمہ ڈاکٹر عبدالحلیم النجار مطبوعہ مکتبۃ الخانجی مصر ۱۹۵۵ء

۱۱ کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتسئلوا اہل الکتاب عن شیءٍ۔ کتاب الشہادات باب لایسئل اہل الشرک عن الشہادہ وغیرہ۔

۱۲ جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۳ ص ۱۲۳۔

۱۳ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۱۰ الطبعۃ الاولیٰ مطبعۃ السعادۃ۔ بجوار محافظہ مصر لصاحبہا محمد اسمٰعیل ۱۳۲۵ھ۔ خلاصہ تذہیب الکمال ص ۳۴۳ الطبعۃ الاولیٰ مطبعۃ الخیریہ مالکہا ومدیرہا عمر حسین الخشاب ۱۳۲۲ھ۔

۱۴ تفسیر المنار جلد ۱ ص ۷-۸-۹-۱۰۔ مکتبۃ القاہرہ لصاحبہا علی یوسف سلیمان شارع الصنادقیہ مصر ۱۳۷۳ھ الطبعۃ الرابعۃ۔

۱۵ میزان الاعتدال جلد ص ۱۵۱

۱۶ وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۵۶۸

۱۷ روح المعانی جلد ۵ ص ۱۰۰ علامہ آلوسی - ادارہ الطباعۃ المنیریہ مصر سن ندارد۔

۱۸ الاتقان جلد ۲ ص ۱۷۸

۱۹ مقدمہ المجلد الاول ص ۸۶-۸۷۔ الطبعۃ الثانیہ مکتبۃ المدرسۃ ودار الکتاب اللبنانی للطباعۃ والنشر بیروت ۱۹۶۱ء۔